Vol. 5 No.3 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

ساحر لدھیانوی اور علی سردار جعفری کی طویل نظموں میں موضوعاتی اشتراکات

CONVERGENCES OF LONG POEMS BY SAHIR LUDHIANVI AND ALI SARDAR JAFARI

ڈاکٹر محمد محسن (ساحل سلہری)

سیال کوٹ، پنجاب، پاکستان

جاوید اقبال

لیکچرار، شعبہ اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

ڈاکٹر عرفان توحید

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، لاہور لیڈز یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Sahir Ludhianvi, s long poem"Parshaian"(Shadows)and Ali Sardar Jafari, s long poems "Nai Dunia ko Salam"(Hail to the new world) and "Asia Jaag Utha" (Rise of Asia) have an important place in the tradition of modern long poems. Both contemporary poets believed in economic, social freedom and the pacifist system. Ali Sardar Jafari, like Sahir Ludhianvi, has satirized the political situation in India and Sahir a sorcerer, he has spoken of world peace, eroding civilizations and eroding values. In " Parshaian" Sahir speaks of peasants, laborers and the poor, as well as glimpses of pure Indian civilization. SahirLudhianvi has raised his voice against this class struggle and segregation. Ali Sardar Jafari also seems to be against social inequality and oppression and injustice .

In these poems, Sahir and Jafri have expressed their vision of a better tomorrow for their country and their people. British imperialism destroyed the unique, local culture of the sub-continent. Both the poets, through their poems give vent to their sorrow over such a horrific tragedy. They protest against penury and class discrimination which resulted as a consequence of British imperialism. Sahir and Jafri remained wedded to socialist ideas in order to realize their dreams of patriotism, their nation’s cultural, political and economic identity.

Keywords: Sahir Ludhianvi, Ali Sardar Jafari, Long poems, Parshaian, Nai Dunia ko Salam, Asia Jaag Utha, cotemporary, economic, freedom, Class struggle, social inequality.

کلیدی الفاظ: ساحر لدھیانوی، علی سردار جعفری، طویل نظمیں، پرچھائیاں، نئی دنیا کو سلام، ایشیا جاگ اٹھا، ہم عصر، معاشی، نجات، طبقاتی کشمکش، معاشرتی ناہمواری

اُردو شاعری پر مغربی شاعری کے اثرات سے پہلے طویل نظم مثنوی، قصیدے اور مرثیے کی ہیئت میں موجود تھی۔ اردو میں جدید طویل نظم کو نئی شکل دینے میں انگریزی نظم نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ طویل نظم کی روایت میں جدت بالکل ایسے ہی آئی ہے جس طرح داستان اور کہانی کی روایت مغربی فکشن نے بدل ڈالی۔ داستان اور کہانی کی جگہ ناول اور افسانے جیسی اصناف نے لے لی۔ تحریکِ علی گڑھ اور ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی وہ موڑ ہے جہاں سے روایتی شعر وادب اور جدید شعر وادب کے خال وخد واضح طور پر الگ الگ نظر آتے ہیں۔ اس بارے میں علی محمد فرشی لکھتے ہیں:

> ”طویل نظم کے باب میں علی گڑھ تحریک کی پہلی اور آخری قابلِ ذکر کاوش مولانا حالی کی ”مدوجزرِ اسلام“ ہے جسے روایت زدہ اذہان نے ”مسدسِ حالی“ کے عرف سے یاد رکھا۔ روایت کے زیرِ اثر یہ کتاب اپنی الگ شناخت قائم نہ رکھ سکی اور شاعر کی ذات سے منسوب ہوئی۔ یہ فن پر شخصیت کے آمرانہ غلبے کی ایک دلچسپ مثال ہے کہ پرانے اذہان کو شاعری کی شعوری اور درست کوشش بھی ایک کتاب کا عنوان تک قبول کرنے پر آمادہ نہ کر سکی۔ البتہ اردو کی خوش بختی

Vol. 5 No.3 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

کہیے کہ اسے بہت جلد اقبال جیسا عظیم شاعر مل گیا جس کی "بانگِ درا" نے نئی منازل کی جانب بڑھنے کا حوصلہ بڑھایا۔"(۱)

طویل نظم لکھنے سے شاعر کے شاعرانہ جوہر کھل کر سامنے آتے ہیں اور اس کی فنی مہارت کا اندازہ ہوتا ہے۔ایک مسلسل مضمون کو بیان کرنے، لفظوں کے چناؤ، تراکیب، استعارات اور تشبیہات کا استعمال اور نظم کی ہیئت سب ملا کر شاعرانہ مقام کا تعین ہوتا ہے۔ دنیا کے بڑے شعرا کی طویل نظمیں بڑی یادگار ہیں۔ ملٹن کی "Paradise Lost" ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ کی "Wasteland" اور حالی کی "مسدس" اقبال سے پہلے لکھی گئیں۔ عہد حالی کے بعد اقبال کی طویل نظموں "شکوہ"، "جوابِ شکوہ"، "طلوعِ اسلام"، "ساقی نامہ"، "خضرِ راہ"، "ذوق وشوق"، "مسجد قرطبہ" اور "ابلیس کی مجلسِ شوریٰ" جیسی نظموں نے جدید طویل نظم نگاری کو توانا آغاز فراہم کر دیا۔ ساحر لدھیانوی اور علی سردار جعفری وہ ترقی پسند نظم نگار ہیں جنھوں نے اقبال کی اس طویل نظم کی روایت کو نئی تکنیک اور انوکھے اسلوب سے یادگار بنا دیا ہے۔ ساحر کی طویل نظم "پرچھائیاں" اور علی سردار جعفری کی طویل نظموں "نئی دنیا کو سلام" اور "ایشیا جاگ اٹھا" کو جدید طویل نظم کی روایت سازی میں اہم مقام حاصل ہے۔ یہ نظمیں اپنے فکری وفنی محاسن کی وجہ سے آج بھی مقبول ہیں۔ یہ نظمیں اپنے داخلی اور خارجی کینوس کی بدولت اس صنف (طویل نظم) کے لیے مثال اور نمونے کا درجہ رکھتی ہیں۔ ان کی جدید طویل نظموں کی مقبولیت کی وجہ سے بعد میں آنے والے نظم نگاروں نے اردو شاعری کا دامن طویل نظموں سے بھر دیا ہے۔

ترقی پسند شعرا کی طویل فہرست میں ساحر لدھیانوی کا نام بڑا اہم ہے۔ وہ اپنے معاصرین میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ انھوں نے بھی شاعری کا آغاز دیگر ترقی پسندوں کی طرح رومانوی شاعری کے زیر اثر کیا۔ ان کی اولین دور کی متعدد نظمیں رومانوی رجحانات کی آئینہ دار ہیں۔ رومانوی اور ترقی پسند شعرا نے انگریزی شاعری کے اثرات قبول کیے، روایتی انداز میں ساحر نے بھی اپنے معاصرین کی تقلید کرتے ہوئے کیٹس کے انداز کو اپنایا۔ ان کی شاعری کا خمیر دراصل امرتا پریتم کے عشق سے تیار ہوا ہے۔ مگر جلد ہی ان کی الم پسند طبیعت اس رومانوی رجحان کو ترقی پسند فکر کی طرف لے گئی۔ انھوں نے اپنے عہد کے حالات میں ڈھل کر کائناتی مسائل کو موضوع بنالیا۔ انگریزی شاعر کیٹس کو فینی براؤن سے بے حد لگاؤ تھا اس کی شاعری اسی عشق سے مملو ہے اسی طرح ساحر کی شاعری بھی امرتا پریتم کے عشق کی آگ میں پختگی اختیار کرتی رہی۔ ساحر کی نظموں میں بے ساختگی اور شیرینی نمایاں ہے۔ جوش، فیض، مجاز، مخدوم، علی سردار جعفری اور دیگر ترقی پسندوں کی طرح حسن وعشق کا موضوع ساحر کی شاعری کی معراج بھی بنتا ہے۔ وہ اس سے دامن کشا ہو کر ترقی پسندی کا تصور نہ کر سکے۔۔ ساحر کے ترقی پسند رومانوی آہنگ کے بارے میں ڈاکٹر رابعہ نسیم رقم طراز ہیں:

> "عقل کے مقابلے میں جذبے کی حاکمیت اور جذبے کی فراوانی رومانیت کی ایک اہم ضرورت سمجھی گئی ہے۔ اسی سلسلے میں علامہ اقبال کے عشق اور اختر شیرانی کے رومان کی مشترک مثال فیض احمد فیض کی تمام شاعری ہے اور ساحر نے جس جذباتی آہنگ کو اپنی شاعری کا منفرد رنگ بننے دیا اُس کا بہترین نمونہ اگرچہ بعد میں ملنا تقریباً دشوار تھا لیکن اُس زمانے میں بھی کیفیت کسی دوسرے کے کلام میں اُبھر کر سامنے نہ آئی۔"(۲)

ساحر کی شاعری رومانی کیفیت کا ایک دلچسپ، خوب صورت اور صحت مند نمونہ پیش کرتی ہے۔ ان کی نظمیں براہ راست اصلاحِ معاشرت اور اصلاح قوم و آدمیت کرتی ہیں لیکن ان پر رومانی اسالیب کا پرتو ہے۔ ان کی تمام نظمیں ترقی پسندیت کے محور کے گرد گھومتی ہیں۔ ساحر اپنی انقلابی فکر وخیال کے باوجود بھی ہمیشہ رومانوی آئیڈیل ازم کا شکار رہے۔ انھوں نے اپنے عہد اور معاشرے سے کافی اثر لیا اور جو کچھ معاشرتی زندگی میں محسوس کیا اسے نظم کر دیا۔ ان کی شاعری میں ان کے ذاتی تجربات اور احساسات بھی ہیں اور اجتماعی جذبات واحساسات کی ترجمانی بھی کی گئی ہے۔ ساحر لدھیانوی نے تقسیم سے پہلے برصغیر کے سیاسی منظر نامے کو بیان کیا ہے۔ انھوں نے اس طرح اپنے عہد کے سیاسی وسماجی واقعات کو اپنی نظموں کا حصہ بنا کر ایک اہم ترقی پسند ہونے کا اچھا ثبوت دیا ہے۔ ساحر نے سماجی اور انقلابی نظمیں لکھتے ہوئے غم انگیز اور طنزیہ لہجہ اپنایا ہے۔ انھوں نے طبقاتی شعور کا واضح ثبوت بھی دیا ہے۔ ساحر اور علی سردار جعفری کی نظم گوئی کی بنیاد انسان دوستی، امن پسندی، آزادی، جمہوریت، مساوات اور دیگر اشترا کی اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ اس لیے ان کے بنیادی نظریات ایک جیسے ہیں۔ دونوں مشترکہ طور پر انسان کی عظمت کی بات کرتے ہیں۔ ساحرؔ کی نظموں میں کوئی نئے موضوعات نہیں ملتے ان کے یہاں بھی وہی مسائل اور موضوعات کا بیان ہے جو علی سردار جعفری کے یہاں ملتا ہے۔ ساحر کی نظمیں بھی ان کی طرح طبقاتی کشمکش اور سماجی مسائل کی ترجمان ہیں۔

Vol. 5 No.3 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

ساحر لدھیانوی کی طویل نظم ”پرچھائیاں“ لطیف جذبات و خیالات کی عمدہ مثال ہے۔ اس نظم میں دو محبت کرنے والے اپنی محبت کی بھینٹ چڑھا کر نئے محبت کرنے والوں کی سلامتی کے لیے دعا گو ہیں۔ اس نظم میں ساحر کے لہجے کی غنائیت اور نرمی نمایاں نظر آ رہی ہے۔ اس نظم میں ساحر نے امن و تہذیب کے تحفظ کی بات کی ہے، انھوں نے اس ذلیل زندگی اور اس کے نظام کو بدلنے کے لیے ایک ولولہ انگیز پیغام دیا ہے۔ یہاں کھوئی ہوئی محبت کی بہت سی تصویریں شاعر کے ذہن کے پردے پر ابھرتی ہیں۔ ان کی نظم کی سادگی، سادہ کہانی اور سادہ بیانی میں بھی ایک تکنیک ہے۔ ”پرچھائیاں“ عالمی امن کی تحریک کو آگے بڑھانے کے لیے مدد دیتی ہے اور انسانوں کے دلوں میں محبت اور امن و امان کے چراغ روشن کرتی ہے، ”پرچھائیاں“ کے بارے میں علی سردار جعفری لکھتے ہیں:

> ”ساحر نے ایک سادہ سی کہانی کو جو بار بار ہم نے سنی ہے اور دیکھی ہے اور محسوس کی ہے اور نظر انداز کی ہے، اپنی رنگین بیانی اور آتش بیانی سے پر کیف بنا دیا ہے۔ اس کی سادگی اس کے موضوع اور مواد میں اور پرکاری اس کی تکنیک میں جو شاعر نے استعمال کی ہے۔ بیخودی اس مکمل ہم آہنگی سے پیدا ہوئی ہے جو شاعر کو اپنے موضوع سے ہے اور اس بیخودی کے عالم میں بھی اس کے سماجی شعور نے اسے ہشیار رکھا ہے۔ اگر یہ ہشیاری نہ ہوتی تو رنگین بیانی میں آتش بیانی کی آمیزش نہ ہو سکتی اور نظم کا آخری حصہ نہ لکھا جاتا۔ ”پرچھائیاں“ ساحر کی بیشتر نظموں کی طرح محاکات کا ایک اچھا نمونہ ہے اور بیک وقت غنائی اور بیانیہ کیفیات کی حامل ہے۔ وہ غنائی کیفیت جو بیانیہ عناصر سے آنکھ چراتی ہے۔ بسا اوقات ذاتی داخلیت کے نہاں خانوں میں جلوے دکھا کر رہ جاتی ہے اور وہ بیانیہ کیفیت جو غنائی عناصر سے گریز کرتی ہے ایک طرح کی ظاہری نگاری میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔“(۳)

ساحر کی طویل نظم رومان کے تصور اور رومانوی اسلوب سے معمور ہے، بظاہر یہ رومانوی سی نظم لگتی ہے مگر اس میں ظلم و استبداد اور استحصال جیسے اہم پہلوؤں کو موضوع بنایا گیا ہے۔ ساحر لدھیانوی کی طویل نظم ”پرچھائیاں“ کا کچھ حصہ دیکھیے:

جوان رات کے سینے پہ دودھیا آنچل
مچل رہا ہے کسی خوابِ مرمریں کی طرح
حسین پھول ، حسین پتیاں ، حسیں شاخیں
لچک رہی ہیں کسی جسمِ نازنیں کی طرح
تصورات کی پرچھائیاں ابھرتی ہیں
کبھی گمان کی صورت ، کبھی یقیں کی طرح
وہ پیڑ جن کے تلے ہم پناہ لیتے تھے
کھڑے ہیں آج بھی ساکت کسی امیں کی طرح
انھیں کے سائے میں پھر آج دو دھڑکتے دل
خموش ہونٹوں سے کچھ کہنے سننے آئے ہیں
ناگاہ لہکتے کھیتوں سے ، ٹاپوں کی صدائیں آنے لگیں
بارود کی بوجھل بُو لے کر ، پچھم سے ہوائیں آنے لگیں
تعمیر کے روشن چہرے پر تخریب کا بادل پھیل گیا
ہر گاؤں میں وحشت ناچ اٹھی ، ہر شہر میں جنگل پھیل گیا

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

مغرب کے مہذب ملکوں سے کچھ خاکی وردی پوش آئے
اٹھلاتے ہوئے مغرور آئے لہراتے ہوئے مدہوش آئے
چوپال کی رونق گھٹنے لگی ، بھرتی کے دفاتر بڑھنے لگے
بستی کے سجیلے شوخ جواں ، بن بن کے سپاہی جانے لگے
جس راہ سے کم ہی لوٹ سکے، اس راہ پہ راہی جانے لگے
ان جانے والے دستوں میں غیرت بھی گئی ، برنائی بھی
ماؤں کے جواں بیٹے بھی گئے ، بہنوں کے چہیتے بھائی بھی(۴)

ہندوستان میں جب برطانوی راج قائم ہوا تو دھیرے دھیرے یہاں کے مقامی نوجوانوں کو فوج میں بھرتی کیا جانے لگا، جب نوجوان، بچے اور بوڑھے فارغ وقت میں چوپال میں بیٹھا کرتے تھے تو گاؤں میں بہت رونق ہوتی تھی اب چوں کہ گاؤں کے سجیلے جوان برطانوی فوج کا حصہ بن گئے ہیں تو گاؤں گاؤں میں وحشت ناچ رہی ہے اور گاؤں اب جنگل کا منظر پیش کرنے لگے ہیں۔ برطانوی سامراج کے قابض ہونے سے ہندوستانی تہذیب پر اور بھی کئی اثرات مرتب ہوئے ہیں جنھیں کمال تخیل دے کر ساحر نے اپنی نظم میں بیان کر دیا ہے۔

بدحال گھروں کی بدحالی ، بڑھتے بڑھتے جنجال بنی
مہنگائی بڑھ کر کال بنی ساری بستی کنگال بنی
چرواہیاں رستہ بھول گئیں ، پنہاریاں پنگھٹ چھوڑ گئیں
کتنی ہی کنواری ابلائیں ، ماں باپ کی چوکھٹ چھوڑ گئیں
افلاس زدہ دہقانوں کے ہل بیل بکے کھلیان بکے
جینے کی تمنا کے ہاتھوں ، جینے ہی کے سب سامان بکے
کچھ بھی نہ رہا جب بِکنے کو ، جسموں کی تجارت ہونے لگی
خلوت میں بھی جو ممنوع تھی ، وہ خلوت میں جسارت ہونے لگی
تصورات کی پرچھائیاں ابھرتی ہیں
اس شام مجھے معلوم ہوا کھیتوں کی طرح اِس دنیا میں
سہمی ہوئی دوشیزاؤں کی مسکان بھی بیچی جاتی ہے
اس شام مجھے معلوم ہوا ، اس کارگہ زرداری میں
دو بھولی بھالی روحوں کی پہچان بھی بیچی جاتی ہے
اس شام مجھے معلوم ہوا ، جب باپ کی کی کھیتی چِھن جائے
ممتا کے سنہرے خوابوں کی انمول نشانی بِکتی ہے
اس شام مجھے معلوم ہوا ، جب بھائی جنگ میں کام آئیں

Vol. 5 No.3 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

سرمائے کے تجبہ خانے میں بہنوں کی جوانی بِکتی ہے(۵)

برطانوی حکومت نے اپنی فوجی طاقت کے بل بوتے پر ہندوستانی تہذیب کو کچل کر آلودہ کر دیا۔ شاعر کہتا ہے کہ بارود کی بُو سے سارے کھیت اٹے ہوئے ہیں اور چرخے کی صدائیں فوجی بینڈوں کی وجہ سے ڈوب چکی ہیں،اس طرح ہندوستان کی تہذیب اجڑ گئی۔ ساحر اس اجڑتی تہذیب پر افسردہ ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جہاں جبر اور استحصال ہو گا وہاں کی تہذیب و ثقافت کیسے پھلے پھولے گی۔ برطانوی استعماروں نے برصغیر پر قابض ہو کر اس کے وسائل کو اپنے فائدے کے لیے اس طرح استعمال کیا کہ مقامی اشیا ہی مقامی لوگوں کو مہنگے داموں ملنے لگیں اور دیسی اشیا دکانوں سے یوں روپوش کی گئیں کہ بستیاں کنگال لگنے لگیں۔ ایسے حالات میں غربت وافلاس نے جنم لیا اور پیٹ کی بھوک مٹانے کے لیے وفا شعار اور پاکیزہ پیکر عورتوں نے اپنے جسم بیچنا شروع کر دیے جو کہ ہندوستان اور اسلامی تہذیب پر بدنما داغ تھا۔ ان حالات میں ساحر لدھیانوی نے معاشرے میں پھیلنے والی بدحالی، افلاس، قحط اور عصمتوں کی تجارت کی سخت مذمت کی اور اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے یوں مزاحمتی انداز اپنایا"پرچھائیاں" کا یہ اقتباس دیکھیے:

اب اس جگہ کوئی کنواری نہ بیچی جائے گی
یہ کھیت جاگ پڑے اٹھ کھڑی ہوئیں فصلیں
اب اس جگہ کوئی کیاری نہ بیچی جائے گی
گزشتہ جنگ میں گھر ہی جلے مگر اِس بار
عجب نہیں کہ یہ تنہائیاں بھی جل جائیں
گزشتہ جنگ میں پیکر جلے مگر اِس بار
عجب نہیں کہ یہ پرچھائیاں بھی جل جائیں (۶)

ساحر نے "پرچھائیاں" میں کسانوں، مزدوروں، مفلسوں اور غریبوں کی بات بھی کی ہے اور خالص ہندوستانی تہذیب کی جھلکیاں بھی دکھائی ہیں۔ ساحر نے ثقافت پر غیر ملکی حکومت کے برے اثرات کو بھی بیان کیا ہے۔ اس نظم میں انھوں نے محبت، امن اور اعلا اقدار کو فروغ دینے کی خواہش ظاہر کی ہے جو آزادی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ فرنگی استعماروں نے ہندوستانی معاشرت کو کثافتوں اور آلودگیوں سے معمور کر دیا، ساحر نے اس طبقاتی کشمکش، تفریق اور آلودگی کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی۔ ساحر لدھیانوی نے سچائی بیان کی مگر اپنی شاعری کو نعرے بازی نہیں بننے دیا، انھوں نے سماج کے متعدد پہلوؤں کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ انھوں نے انسانی تہذیب کو اپنی شاعری کا حصہ بنایا ہے۔ انھوں نے فنی بصیرت کا خاص خیال رکھا اور انقلاب اور استحصال کا کھل کر اظہار کیا۔ ترقی پسند شعرا میں ساحر لدھیانوی کے مقام و مرتبے کا تعین اور معاصرین سے اشتراکات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر انور سدید رقم طراز ہیں:

"کیفی اعظمی، جاں نثار اختر اور ساحر لدھیانوی کا شمار ایسے ترقی پسند شعرا میں ہوتا ہے جنھوں نے نقطۂ نظر کی فوقیت کو تسلیم کیا اور شاعری کو مستقیم انداز میں نظریاتی تبلیغ کا وسیلہ بنایا۔ ان کی شاعری میں محبت کا عمودی زاویہ بہت جلد حقیقت کے ارضی زاویے کے ساتھ منطبق ہو جاتا ہے اور اس کی جگہ مزدور کا اور دہر کا غم بتدریج ابھرتا چلا جاتا ہے۔ ان میں سے کیفی کے لہجے میں جلالی گھن گرج زیادہ ہے۔ جاں نثار اختر نے غربت اور امارت کے تضاد کو خوبی سے ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے برعکس ساحر لدھیانوی کے لہجے میں طنز کی زہرناکی زیادہ ہے۔"(۷)

Vol. 5 No.3 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

ساحر لدھیانوی کی تمام شاعری میں ترقی پسند شعرا کے روایتی موضوعات ملتے ہیں۔ ان کی نظمیں ہیئتی اور موضوعاتی حوالے سے معاصرین سے اشتراک و انسلاک رکھتی ہیں۔ ان کی نظموں میں موضوعاتی تکرار بہت زیادہ ہے اور ترقی پسندوں جیسی یکسانیت نظر آتی ہے، دیگر شعرا کی طرح ساحر لدھیانوی بھی رومان واشتراک کے سنگم پر کھڑے ہیں۔ اور انھوں نے ان دو اسالیب کی آمیزش سے ایک نیا اور منفرد اسلوب اختیار کیا جو صرف ساحر ہی کے حصہ میں آیا۔ ساحر لدھیانوی نے اپنی جدید طویل نظم "پرچھائیاں" میں ترقی پسند فکر کے روایتی موضوع کو اپنی رنگین بیانی اور آتش بیانی سے پر کیف بنا دیا ہے۔ انھوں نے اپنے عہد کے سب سے اہم موضوع عالمی امن ، آزادی، مساوات طبقاتی تقسیم کو کہانی کی شکل میں بیان کیا ہے۔ انھوں نے اس نظم میں جنگ، قحط اور افلاس کے سیلاب میں ڈوبی ہوئی گردوپیش کی زندگی کی تصویر کشی کی ہے۔ انھوں نے دوسری جنگ عظیم کے وقت بنگال کے قحط میں وفاشعار عورتوں کے بکتے ہوئے پاکیزہ جسم، چرخوں کی صدائیں، چوپال کی رونقیں اور پھولوں کی قبائیں غارت ہوتے ہوئے دکھائی ہیں۔ اس نظم میں ساحر نے بڑی ہنر مندی سے اس ذلیل زندگی اور اس کے نظام کو بدلنے کی جدوجہد کا ولولہ انگیز پیغام دیا ہے۔ ساحر نے اس نظم میں انسانی زندگیوں کو جنگ (تیسری جنگ جو ایٹمی ہتھیاروں سے لڑی جائے گی)، قحط اور افلاس سے بچانے کا عہد کیا ہے۔ تیسری جنگ اگر ہوئی تو ساحر کو اس کے نتیجے میں نہ صرف نئی محبت کرنے والی روحیں بل کہ اپنی تنہائیاں اور اپنے تصورات کی پرچھائیاں بھی غیر محفوظ معلوم ہوتی ہیں۔ اس لیے انھوں نے طنزیہ انداز میں پچھلی جنگوں اور آنے والی جنگ کا تقابل کیا ہے۔ ساحر لدھیانوی کی نظم "پرچھائیاں" اردو کی جدید طویل نظموں اور امن عالم کی شاعری میں ایک اہم اضافہ ہے۔

علی سردار جعفری اہم ترقی پسند شاعر تھے۔ حب وطن، اپنی سرزمین کی خوشبو، ثقافتی، معاشی، تاریخی اور انسانی تہذیب لیے علی سردار جعفری ساری زندگی اشتراکی تصورات کے حامی رہے، ان کی ترقی پسند شاعری کا مرکزی موضوع ہندوستان کی بیداری، آزادی اور تشکیل نو ہے۔ علی سردار جعفری اور ساحر لدھیانوی نے اس دور میں وطن دوستی، مشترکہ تہذیب اور آزادی و بیداری جیسے موضوعات پر نظمیں لکھی ہیں، اس سے پورے ہندوستان میں آزادی اور بیداری کی تحریک شدت اختیار کر گئی۔ علی سردار جعفری کی شاعری میں انفرادیت نہیں بل کہ اجتماعیت ہے، وہ داخلی کیفیات سے زیادہ خارجی حالات ومشاہدات کو محسوس کرتے ہیں۔ دوسرے ترقی پسند شاعروں کی طرح علی سردار جعفری بھی اس بات کے قائل ہیں کہ شعر و ادب خیالی اور تصوراتی دنیا کا نام نہیں بل کہ حقیقت نگاری کا دوسرا نام ہے۔ علی سردار جعفری اور ساحر لدھیانوی کے انسلاکات ویکسانیت کے بارے میں پروفیسر قدوس جاوید رقم طراز ہیں:

> "علی سردار جعفری نے بھی فیض احمد فیض، مجاز، کیفی اعظمی، ساحر لدھیانوی وغیرہ کی طرح اپنی شاعری کے ذریعے فرسودہ اور کہنہ روایات کے خلاف بغاوت کا درس دیا ہے، عوام دشمن سیاست، سامراجی نظام حکومت اور عوامی ترقی اور خوشحالی میں رکاوٹ بننے والے رسوم وروایات کے خلاف بغاوت کا اعلان کرتے ہیں"(۸)

علی سردار جعفری کے شعری مجموعوں کا تجزیہ کریں تو متعدد سامراجی اور سرمایہ دار قوتوں کے خلاف آواز اٹھائی گئی ہے۔ وہ کسی بھی طرح ساحر لدھیانوی سے الگ نہیں۔ وہ عدل وانصاف، حب وطن اور آزادی کے جذبے سے سرشار ہیں۔ انھوں نے اپنی نظموں میں سیاسی، سماجی اور تہذیبی اقدار کی عکاسی کی ہے اور ہندوستان میں سامراجیت کی دخل اندازی اور لوٹ کھسوٹ کو بھی شعری پیکر عطا کیا ہے۔ انھوں نے سامراجی بربریت اور راجواڑوں کی حکمرانی سے تنگ عوام کے جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ ترقی پسند تحریک کے معاصرین میں ایک مشترکہ خصوصیت نقطۂ نظر کی ہے، سب نے ملک وقوم کی آزادی، سرمایہ دارانظام سے نجات، پسے ہوئے طبقے اور ظلم واستبداد کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ ترقی پسند شعرا میں موضوعات کی یکسانیت کی وجہ سے تکرار کی کیفیت پیدا ہوئی ہے۔ علی سردار جعفری کے موضوعاتی تنوع کے بارے میں ڈاکٹر عبدالغنی لکھتے ہیں:

> "علی سردار جعفری نے بیسویں صدی میں سیاسی، سماجی، ادبی اور صحافتی میدان میں اہل فن ہونے کا ثبوت دیا اور نئی نسل کے لیے ایسی راہیں ہموار کیں جن پر چل کر نئی نسل کے خواب شرمندۂ تعبیر ہوں گے۔ انھوں نے کبھی سرمایہ دارانہ نظام کو آڑے ہاتھوں لیا، کبھی وہ انگریز حکمرانوں کے خلاف سربکف دکھائی دیے تو کبھی بارود کے ان ٹینکوں اور بموں کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے نظر آتے ہیں جنھوں نے پوری دنیا کو تباہی کے دہانے پر لا کر رکھ دیا ہے۔ انھوں نے کبھی

Vol. 5 No.3 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

> سیاست کے خار دار ایوانوں میں مورچہ سنبھالا تو کبھی اپنے مخصوص انداز میں زلفوں کو سنوارتے ہوئے اردو ادب میں جادو بیانی سے موتی بکھیر دیے اور کبھی بحث و تکرار میں مقرر کی حیثیت سے سرگرم عمل رہے۔ جب کبھی کہیں ظلم کی چنگاری نے سلگنے کی کوشش کی تو وہیں بڑے تدبر سے اس کے تدارک کے لیے ڈھال کی شکل میں سامنے آئے، زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں رہا جس سے انھوں نے آنکھ مچولی نہ کی ہو۔"(۹)

علی سردار جعفری کو انگریز حکومت کے خلاف بغاوت کی مہم میں شریک ہونے، سیاسی سرگرمیوں اور حریت پسند ذہن کی پاداش میں علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے نکال دیا گیا۔ اسی طرح ان کا لکھنو یونی ورسٹی سے بھی سیاسی سرگرمیوں کے باعث اخراج ہو گیا۔ علی سردار جعفری کو کسی یونی ورسٹی سے بھی تعلیم مکمل نہ کرنے دی گئی بل کہ انھیں جیل بھیج دیا گیا جس کی وجہ سے "بغاوت" ان کا محبوب موضوع بن گیا۔ اسی طرح سیاسی سرگرمیوں اور ترقی پسند فکر کی وجہ سے ساحر لدھیانوی کو گورنمنٹ کالج لدھیانہ سے نکال دیا گیا۔ علی سردار جعفری کی نظموں میں حب الوطنی اور انقلاب کے جاں افزا نمونے کثرت سے ملتے ہیں۔ وہ شروع میں دیگر ترقی پسند اور رومانوی شعرا کی طرح پابند ہیئت میں نظم گوئی کرتے تھے بعد میں انھوں نے معاصر شعرا سے متاثر ہو کر معرا، آزاد اور نثری نظم نگاری شروع کر دی۔ علی سردار جعفری محب وطن، محب قوم اور انسان دوست شاعر ہیں وہ مذہب اور رنگ و نسل کے تعصب سے بالاتر ہو کر انسانیت اور انسانی رشتوں کی پاسداری کا تصور پیش کرتے ہیں۔

علی سردار جعفری نے ساحر لدھیانوی کی طرح رومانوی لہجہ اپنایا ہے۔ انھوں نے اس شعری پیکر میں عظمت انسانی اور فسادات کا نظریہ رومانی طرز احساس میں پیش کیا ہے اس لیے ان کے شعروں میں شائستگی، شعریت اور لطیف احساس پیدا ہوا گیا ہے۔ علی سردار جعفری انسانیت کے ہمدرد تھے انھوں نے زندگی کو بڑے قریب سے دیکھا اور اس کے تلخ حقائق کا بغور مشاہدہ بھی کیا۔ وہ سماجی، عدم مساوات اور ظلم و ناانصافی کے خلاف سربکف دکھائی دیتے ہیں۔ علی سردار جعفری کی نئی جہت کی حامل طویل نظم "نئی دنیا کو سلام" پہلی بار ۱۹۴۷ء کو مکتبہ جامعہ نئی دہلی سے اشاعت پذیر ہوئی۔ اس جدید طویل نظم میں انھوں نے نہایت خوب صورت انداز میں اپنی فنی و فکری صلاحیتوں کو بروئے کار لایا ہے۔ "نئی دنیا کو سلام" ایک تمثیلی نظم ہے، اس میں انھوں نے نیا لب و لہجہ اپنایا ہے۔ علی سردار جعفری نے اپنی اس طویل نظم میں متعدد کرداروں کے ذریعے ظلم و جبر کے خلاف آواز اٹھائی ہے۔ انھوں نے غلامی کی زنجیروں میں زندگی بسر کرنے والے عوام کے دردناک کرب کو بیان کیا ہے۔ یہ تمثیلی اور اساطیری نوعیت کی نظم ہے اس میں انھوں نے مختلف ناموں اور کرداروں سے نقشہ کھینچا ہے۔ علی سردار جعفری نے اس نظم میں جاوید، مریم، فرنگی، نامہ بر، زندگی، تاریخ، وقت اور موت کے کرداروں سے لوگوں کی طبقاتی کشمکش کو بیان کیا ہے۔ انھوں نے ظالم اور مظلوم کے درمیان ہونے والی جنگ کو تاثراتی اور احساساتی انداز میں بیان کرتے ہوئے نظم کے دیباچہ میں یوں لکھا ہے:

> "واقعات کے بجائے واقعات سے پیدا ہونے والے جذبات تاثرات اور احساسات پیش کیے ہیں، جاوید اور مریم میاں بیوی جدوجہد کی علامتیں اور فرنگی ظلم کی علامت ہے، نامہ بر ہمارا روایتی کردار ہے جس کے فرائض اس نظم میں بدلے ہوئے نظر آئیں گے زیادہ اہم کردار وہ بچہ ہے جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوا ہے۔"(۱۰)

علی سردار جعفری کی اس نظم میں جاوید اور مریم دونوں میاں بیوی انتہائی خوشگوار ازدواجی زندگی بسر کر رہے ہیں اور وطن کے معاملات پر گہری نظر رکھے ہوئے ہیں اور جب وہ دونوں ظلم کے خلاف بغاوت کرتے ہیں تو انھیں اس پاداش میں گرفتار کر لیا جاتا ہے۔ مریم حاملہ ہے اور جاوید تختہ دار پر لٹکنے سے پہلے اپنے ہونے والے بیٹے کے نام ایک خط لکھتا ہے جس میں ایک تابناک اور روشن مستقبل کا پیغام دیتا ہے۔ جعفری صاحب نے یہ کردار علامتی انداز میں پیش کیے ہیں، جاوید ظلم و استبداد، عتاب و استحصال کے خلاف ایک بغاوت کا نام ہے جو ناانصافیوں کا قلع قمع کر کے روشن صبح کی نوید سناتا ہے۔ مریم (نام) اس حوالے سے استعمال ہوا ہے کیوں کہ حضرت مریمؑ کے یہاں جو بچہ پیدا ہوا (حضرت عیسیٰؑ) انھیں آسمان پر زندہ اٹھا لیا گیا تا کہ جب ظلم حد سے بڑھ جائے گا تو زمین پر اپنے پاؤں سے اس ظلم کو روندنے کے لیے آئیں گے۔ علی سردار جعفری نے بچے کی پیدائش سے نئے اور بدلتے ہوئے ہندوستان کا خواب دیکھا ہے جو امن پسند، خوش حال، تابناک، روشن اور آزاد ہے۔ علی سردار جعفری کی طویل نظم "نئی دنیا کو سلام" کا نمونہ ملاحظہ ہو:

Vol. 5 No.3 2021
ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

سیاہ رنگ پھریرے ہوا میں اڑاتے ہیں
کھڑی ہوئی ہے سیہ رات سر اٹھاتے ہوئے
سیاہ گھوڑوں کی ٹاپوں سے ہل رہی ہے زمیں
سیہ عتاب سیہ آسمان پہ چھائے ہوئے
سیاہ سینوں کو تانے ہوئے سیاہ پہاڑ
سیاہ لوہے کی دیوار سی بنائے ہوئے
سیاہ وادی و صحرا سیاہ دریا ہیں
سیاہ دشت ، سیہ کھیت لہلہائے ہوئے
سیاہ فیکٹری کی سیاہ چمنی پر
سیہ دھویں کے سیہ ابر تھرتھرائے ہوئے
سیہ فضا میں سیہ تیر سنسناتے ہیں
سیاہ تیر سیاہ زہر میں بجھائے ہوئے
سیاہ دار ، سیہ پھانسیاں ، سیہ پھندے
سیاہ ہاتھ ، سیہ گردنیں دبائے ہوئے
سیاہ جبر سیاہ عصمتیں ، سیہ چیخیں
سیاہ عدل ، سیہ کلغیاں لگائے ہوئے
ضمیرِ عہدِ غلامی کی تیرگی ہے یہ رات
جو پھر رہی ہے اجالے سے منہ چھپائے ہوئے
کہاں ہے روشنیٔ صبحِ انقلاب کہاں؟
ضمیرِ حضرتِ انسان کا آفتاب کہاں؟(۱۱)

علی سردار جعفری کی اس نظم میں جہالت اور ظلمت کی سیاہ کاریاں ہی نظر آ رہی ہیں۔انھوں نے ہندوستان کی آزادی میں حصہ لینے والے افراد پر ڈھائے جانے والے مظالم کی بڑی عمدگی سے ترجمانی کی ہے۔ انھوں نے تمثیلی اور علامتی انداز میں عہد غلامی کی عکاسی کی ہے۔ انھوں نے ظلم و بربریت اور سامراجی طاقت کو"سیاہ" کے نام سے بیان کیا ہے۔شاعر نے غلامی کو سیاہ ابر قرار دیا ہے اور مریم آزادی اور جدوجہد کی علامت ہے۔وہ روشن صبح کا خواب بھی دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ غلامی کا ابر آزادی اور انصاف کے سورج،چاند،ستاروں کو کب تک چھپا رکھے گا۔ملاحظہ ہو:

نہاں ابر میں چاند کب تک رہے گا
بھلا عشق سے حسن کب تک چھپے گا
تو شرمائی جاتی ہے میری نظر سے
حجاب اور گل کو نسیم سحر سے

Vol. 5 No.3 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

تو کیا میری فطرت کی محرم نہیں ہے؟
تو کیا میرے بچپن کی مریم نہیں ہے؟
ترے رخ پہ حسن و محبت کا ہالہ
یہی ہے مری زندگی کا اجالا
محبت کی راتوں کی قندیل تو ہے
جوانی کے خوابوں کی تکمیل تو ہے
تکلم سے نغموں کی دنیا جگا دے
تبسم سے پھولوں کو ہنسنا سکھا دے(۱۲)

علی سردار جعفری کی اس طویل تمثیلی نظم کا کچھ حصہ پابند ہے اور کچھ حصہ آزاد ہیئت میں ہے۔ انھوں نے عورت کو مرد کی صلاح کار اور مشیر کہا ہے جو ہر موڑ پر مرد کی ہم سفر ہے۔ ان کے اس رومانوی انداز میں صرف سطحی انداز کا عشق و محبت نہیں بل کہ اس کے پیچھے ایک حقیقت اور مقصدیت ہے۔ علی سردار جعفری کی نظم ''نئی دنیا کو سلام'' پر تبصرہ کرتے ہوئے ڈاکٹر علی جاوید لکھتے ہیں:

> ''وہ اپنے بچے کی ولادت کے ساتھ نئے ہندوستان کی آمد کا خواب دیکھتا ہے جس کے عوام تمام مصائب سے آزاد ہوں گے۔ شاعر کا سیاسی اور سماجی شعور یہاں اس بات کی بھی عکاسی کرتا ہے کہ محنت کش عوام سرمایہ داری کے بوجھ کے نیچے دبے ہوئے ہیں اور ان کی نجات کا راستہ صرف متحد ہو کر استحصال کرنے والی قوتوں کے خلاف جنگ میں ہے۔'' (۱۳)

علی سردار جعفری نے اس نظم کو غلامی کی زندگی بسر کرنے والے انسانوں کے درد، آرزوؤں اور خوابوں کو رنگ تغزل دے کر شعری پیکر میں دکھایا ہے۔ انھوں نے تخیل کی بلند آہنگی اور آفاقی سوچ دینے کے لیے جاوید اور مریم کے مابین محبت بھرے مکالمات بنا کر رومانیت کا نیا انداز اپنایا ہے۔ علی سردار جعفری کے احساسات و جذبات کی رنگینی و چاشنی دیکھیے:

خمارِ نیم شبی کا ہے آنکھ میں کاجل
ہتھیلیوں پہ حنا کے کنول جلائے ہوئے
کھڑی ہے خواب و فسانہ کی سرحدوں کے قریب
اندھیری رات کے دل میں چمن کھلائے ہوئے
وفا کے جوش سے چہرے پہ روشنی دل کی
صبا کے رنگ سے رخسار تمتماتے ہوئے
بھوؤں پہ جتنی ہیں انکار کی حسین شکنیں
لبوں پہ اتنے ہی اقرار مسکرائے ہوئے(۱۴)

علی سردار جعفری نے وسعت نظر کا ثبوت دیا ہے وہ عورت کو باورچی خانے سے نکال کر اسے عظمت و تقدس دیتے ہیں:

Vol. 5 No.3 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

تبسم نہیں صرف ، تلوار بھی ہے
وہ نغمہ نہیں صرف ، جھنکار بھی ہے
محبت کی مسند پر حسن و جوانی
شجاعت کے میداں میں جھانسی کی رانی
مگر سب سے بڑھ کر تو یہ ہے کہ ماں ہے
وہ تخلیق کے دل کا سوزِ نہاں ہے(۱۵)

علی سردار جعفری نے ان مصرعوں میں عورت کی اہمیت بیان کی ہے کہ وہ وقت آنے پر تلوار بن جاتی ہے،اس حوالے سے انھوں نے جھانسی کی رانی کی بہادری کی مثال دی ہے۔انھوں نے اپنی اس طویل مثنوی نما نظم میں عورت کے کارناموں کو بیان کیا ہے۔انھوں نے عورت کی تمام تر خوبیاں گنوادی ہیں۔وہ عورت کی عفت اور پاکدامنی کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

وہ عورت کی جسمانیت کی چمک ہے
یہ عورت کی روحانیت کی جھلک ہے
جس آنچل کو بچے پہ وہ ڈالتی ہے
جس آغوش میں طفل کو پالتی ہے
اس آنچل میں ہے زندگی کا شرارہ
وہ آغوشِ تہذیب کا گہوارہ(۱۶)

ایک ماں کی آغوش بچے کی پہلی درس گاہ اور تہذیب وتمدن کا گہوارہ ہوتی ہے۔عورت علی سردار جعفری کے مارکسی تصور میں شانہ بشانہ کھڑی نظر آتی ہے۔اس سے پہلے عورت کی صحیح زینت اور روحانی آزادی اسلام نے دی ہے۔شاعر کے روشن اور تابناک پہلو دیکھیے:

جو کونپل تھی کل اب ہے پھولوں کی ڈالی
تو ہے میرے بچے کی ماں بننے والی(۱۷)

علی سردار جعفری نے اس نظم کے مکالماتی سلسلے میں رومانیت کا خوب صورت احساس برتا ہے۔مریم کی کوکھ سے جنم لینے والا بچہ ہندوستان میں پیدا ہونے والی نئی تحریکوں کے لیے علامت ہے۔شاعر نے وطن کی محبت پیدا کرنے کے لیے ہندوستان کے ریگ زاروں،ٹیلوں،چٹانوں،پہاڑوں اور آبشاروں کا خوب ذکر کیا ہے۔انھوں نے مریم کا اپنے بچے کے لیے پھٹے ہوئے کپڑوں کے ٹکڑوں سے کرتا سینے سے لے کر غلام ہندوستان کی معاشی اور اقتصادی بد حالی کا نقشہ کھینچا ہے،اور غریب لوگوں اور محنت کشوں کی تصویر کشی یوں کی ہے:

روٹیاں،گندمی روٹیاں،سرخ سونے کے ترشے ہوئے گول ٹکڑے / لیکن اس وقت انسان کے ہاتھوں کی پکی ہوئی روٹیوں کے لیے / عصمتیں بک رہی ہیں / عزتیں بک رہی ہیں / گولیاں چل رہی ہیں / خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں / چکیاں چپ ہیں،خاموش ہیں،گاؤں کی لڑکیاں،چوڑیاں گنگناتی ہیں / کھیت کٹتے ہیں اب بھی / اور کھلیان لگتے ہیں اب بھی / لیکن اب گاؤں ویران ہیں / چوربازار کی رونقیں بڑھ رہی ہیں / لڑکیاں چکیاں چھوڑ کر دربدر ٹھوکریں کھا رہی ہیں / اور دہقاں کی آنکھیں جو پتھرا رہی ہیں / اپنی صدیوں

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

کی بے چارگی، مفلسی اور تھکن کو لیے / اپنے بچوں کو فاقوں سے مرتے ہوئے دیکھتی ہیں / دیکھ تو ظالم انگریز کے راج میں / بھوک اور موت کے سائے میں / کتنے آزاد ہیں ہم(۱۸)

علی سردار جعفری کی اس نظم میں مریم سماجی اور سیاسی فکر کا ایک مثالی کردار ہے، اس نے عدل وانصاف اور صداقت کی قندیل شاہی ایوان میں روشن کی۔ مریم حق گوئی، شجاعت اور بے باکی کا ایک کردار ہے۔ اس نظم کے دوسرے کردار جاوید کے انقلابی نعرے بھی فضا میں گونجتے ہیں۔ جاوید کو جب پھانسی دے دی گئی تو مریم نے ایوان عدل وانصاف اور ظالم حکومت پر لعنت بھیجی۔ علی سردار جعفری کی اس طویل نظم میں سوز و گداز بھی ہے۔ آہ وبکا بھی ہے اور امید و مسرت روشن مستقبل کی نوید سناتی ہے۔ وہ پر امید ہیں کہ نئی صبح نئی خوشیاں لے کر طلوع ہوگی۔ ظلم و ستم کی شام آخر ڈھل ہی جائے گی اور اس سرزمین پر دہقاں اور محنت کش حکومت کریں گے۔ علی سردار جعفری نے دیگر ترقی پسندوں سے نسبتاً زیادہ یاس والم، حب وطن، سامراجی حکومت کی سیاہ کاریوں، غلامی کی زنجیروں، غلامی کی وجہ سے مٹتی ہوئی اقدار و تہذیب اور ٹوٹتی ہوئی امیدوں ،کسان و مزدور طبقے کے مسائل اور سرمایہ دار وجاگیر دارانہ نظام کے استحصال کو بیان کیا ہے۔ علی سردار جعفری کی طویل نظم ”نئی دنیا کو سلام“ میں معاشرے کی ننگی تصویر کو پیش کیا گیا ہے۔ نو آبادیاتی دور میں شہروں اور قصبوں میں قحبہ خانوں کا قیام ہندوستانی اور اسلامی تہذی کے منافی تھا۔ اس نظم میں برطانوی حکومت کے جبر و تشدد کو بھی موضوع بنایا گیا ہے اور اس کی کھوکھلی تہذیب کو بھی۔ نظم کے آخر میں علی سردار جعفری نے ”جمہور“ کے عنوان سے ایک مثنوی پیش کی ہے۔ یہ اس صنف مثنوی میں ایک شاہکار نمونہ ہے کیوں کہ وہ مثنوی کو جنوں اور پریوں کی روایتی کہانیوں سے نکال کر انسانوں کے جہان میں لائے ہیں۔ اور خیالی دنیا پر مبنی کرداروں کے بجائے انسانی کردار پیش کرتے ہیں۔ انھوں نے ملکی اور بین الاقوامی سطح کے مسائل اور حالات کو مثنوی کا حصہ بنایا ہے۔

”ایشیا جاگ اٹھا“ علی سردار جعفری کی ایک طویل تقریری انداز کی نظم ہے یہ نظم انھوں نے جون ۱۹۵۰ء میں سینٹرل جیل ناسک میں لکھی اور ۱۹۵۰ء ہی میں نعمانی پریس دہلی سے چھپ کر منصہ شہود پر آئی۔ اس نظم میں انھوں نے ایشیا کے محنت کش عوام کے خوابوں، آرزوؤں، تمناؤں، شکستوں اور مصائب کا ذکر کیا ہے۔ انھوں نے ایشیا کے قدرتی حسن کو بھی ملحوظ خاطر رکھا ہے۔ اس نظم میں انھوں نے ایشیا کے وہ حالات قلم بند کیے ہیں جب وہ غلامی کی زنجیریں توڑ کر آزادی کے خواب دیکھ رہے تھے ۔ علی سردار جعفری نے مظلوم انسانوں کی دبی ہوئی آواز کی ترجمانی کی ہے جو بڑی دوررس اور فلک بوس معلوم ہوتی ہے۔ علی سردار جعفری کی یہ طویل نظم ایک تاریخ کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ سامراجی قوتیں ہندوستان اور ایشائی ممالک کے حق کو تسلیم کرنے سے انکار کر رہے تھے اس لیے محکوم ملکوں کے وسائل کی لوٹ کھسوٹ میں لگ گئے۔ سوویت یونین کی فتح نے سامراجی قوتوں کو کافی کمزور کر دیا، ان تمام حالات وواقعات کو شاعر نے یوں نظم کیا ہے:

اب سے ہو گا ایشیا پر ایشیا والوں کا راج
دستِ محنت کو ملے گا دستِ محنت سے خراج
زندگی بدلی ہے بدلا ہے زمانے کا مزاج
چھوڑ دیں گے ہم یہ آنکھیں ہم کو مت آنکھیں دکھاؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ
جنگلوں سے حملہ آور ہیں ملایا کے دلیر
گونجتے ہیں بادلوں کی طرح سے برما کے شیر
ہندو پاکستان اٹھے ، نہیں ہے کوئی دیر
آمد آمد عدل کی ، ظلم و ستم کا چل چلاؤ
ایشیا سے بھاگ جاؤ(۱۹)

Vol. 5 No.3 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

علی سردار جعفری ظلم وستم کے خلاف امید کی کرن دکھاتے ہیں۔ انھوں نے اشتراکی نظریات کے ساتھ ساتھ قوم کو تاریخی شعور فراہم کیا ہے۔ اس نظم میں انھوں نے یہ عزم کیا ہے کہ ساری زندگی ظلم وجبر کے خلاف لڑنا ہے۔ وہ اپنی شاعری میں کبھی برطانوی سامراجوں سے اور مغربی خداؤں سے دست وگریباں ہوتے دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے "ایشیا جاگ اٹھا" میں ہندوستان سمیت براعظم ایشیا کی تاریخ کی اہمیت بیان کی ہے۔ وہ انسان سے محبت اور انسانیت کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ان کی فکر میں عربی، عجمی، مشرق ومغرب کی کوئی قید نہیں۔ وہ برصغیر کے لوگوں سے کہتے ہیں کہ تم لینن کے عزائم سے سبق سیکھو جس نے بادشاہوں کے سر غلاموں کے قدموں میں جھکا دیے۔ انھوں نے ایشیا کو بیدار کر کے آزادی کا ولولہ پیدا کیا اور ایشیائی اقوام کے اور ہندوستانی عوام کے حوصلے بلند کیے:

یہ ایشیا کی زمین، تمدن کی کوکھ، تہذیب کا وطن ہے / یہیں پہ سورج نے آنکھ کھولی / یہیں پہ انسانیت کی پہلی سحر نے رُخ سے نقاب الٹی / یہیں سے اگلے یگوں کی شمعوں نے علم و حکمت کا نور پایا / اسی بلندی سے وید نے زمزمے سنائے / یہیں سے گوتم نے آدمی کی سمانتا کا سبق پڑھایا / یہیں سے مزوک نے عدل و انصاف اور محبت کے راگ چھیڑے / ہماری تاریخ کی ہوائیں مسیح کے بول سن چکی ہیں / ہمارا سورج محمد مصطفیٰ کے سر پر چمک چکا ہے / اور اب ہمارے قدیم آکاش کے ستارے / قدیم آنکھوں سے ماؤ کی سرخ فوج کی شان دیکھتے ہیں / یہ خاک اتنی قدیم اتنی جتنی انساں کی داستانیں / عظیم اتنی عظیم جتنی ہمالیہ کی بلندیاں ہیں / حسین اتنی حسین جتنی اجنتا کی اپسرائیں / غرض ہر اک رنگ روپ کے بھیڑیوں کے حملے / مگر یہ انمول خاک پھر بھی حسین پھر بھی جواں رہی ہے / ہمارے رستم ہمارے ارجن مرے نہیں ہیں / وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں زمین پر کاشت کر رہے ہیں / ہمارے فرہاد اب بھی تیشے چلا رہے ہیں / جوان لیلیٰ حسین شیریں، کنواری ہیر اب بھی گا رہی ہے / شکنتلائیں گھنیرے پیڑوں کے سبز سایوں میں ناچتی ہیں / ہم ایشیا کے عوام سورج کی طرح ڈوبے ہیں اور پھر ابھرے / وہ دن گئے جب / تمھارے ہاتھوں میں رائفل تھی ہمارے ہاتھوں میں کچھ نہیں تھا / ہتھیلیوں پر فقط لکیروں کو گن رہے تھے / شمار کرتے تھے آنسوؤں کا / مگر غلامی نے سیکڑوں سال کی غلامی نے ہم کو لڑنا سکھا دیا ہے (۲۰)

انقلاب روس اور انقلاب فرانس کی تحریکوں نے ایشیائی قوم کو بے حد متاثر کیا اور ان کو آزادی کا ایک پیغام دے کر ان میں بھی آزادی کی ایک لہر دوڑا دی۔ اس طرح ایران، ترکی، روس اور ہندوستان کے مزدوروں اور کسانوں نے بغاوت کر دی اور انگریز حکمرانوں کو ایشیا سے نکال باہر کیا۔ علی سردار جعفری نے روزی روٹی اور عوام کے مسائل کو نمایاں کیا ہے۔ ان کی شاعری میں انسان دوستی نمایاں ہے اور وہ بدامنی، قتل وغارت اور روز بروز کی ناانصافیوں کے خلاف ہیں۔ ان کی نظم "ایشیا جاگ اٹھا" کے بارے میں کرشن چندر لکھتے ہیں:

> "جیل میں رہ کے سردار نے اپنا اور سماجی حالات کا کڑی نگاہ سے سماجی تنقیدی تجزیہ کیا اور ایشیا کی خوبصورت سچائی ان پر موثر ہوئی اور انھوں نے اپنی طویل نظم "ایشیا جاگ اٹھا" لکھی جو بیک وقت رزمیہ بھی ہے اور غنائیہ بھی جس میں ایپک کی مثالیت اور غنائی سندرتا ہے۔ اس نظم میں ایشیا کا سارا سجل روپ سمٹ کر سما گیا ہے اس نظم میں چار ہزار سالہ تہذیب کی تصویر ہے، یہاں کی غریبی چیتھڑے پہنے دکھائی دے رہی ہے، اس کے عوام کی بغاوت کا بے پناہ جذبہ قومی اور ملی احساسات کو سموتا ہوا ایک طوفانی سمندر میں تبدیل ہو گیا ہے، میرا خیال ہے کہ اس نظم سے ہماری اردو کی ترقی پسند شاعری اپنے سن بلوغت کو پہنچتی ہے، جوان ہوتی ہے اور خود سردار کی شاعری افادیت اور وجدان کی ان سربلندیوں کو چھو لیتی ہے جہاں سے عظمت کی سرحدیں شروع ہوتی ہیں۔(۲۱)

علی سردار جعفری اس نظم میں رومانوی طرز ادا کو اپنائے ہوئے نظر آتے ہیں، ان کی اس نظم میں ساحر جیسا اسلوب اور آہنگ دکھائی دیتا ہے۔ ان کی شاعری ہنگامی اور انقلابی موضوعات لیے ہوئے ہے، وہ امن پسند شاعر تھے، دنیا کے کسی خطے میں وہ بدامنی، قتل وغارت کو سخت ناپسند کرتے تھے۔ علی سردار جعفری اور ساحر لدھیانوی میں قابل قدر اشتراکات ہیں، دونوں ہم عصر نظم نگار معاشی، سماجی آزادی اور امن پسند نظام کے قائل تھے۔ انھوں نے بے بس، لاچار، شکست خوردہ اور مایوس انسانوں کو ان کی عظمت اور مقام ومرتبے کا احساس دلا کر ان میں جذبہ حریت اور جذبہ حب الوطنی پیدا کرنے کی کامیاب سعی کی۔ علی سردار جعفری کے اہم معاصر ساحر لدھیانوی کے یہاں بھی وطن کی محبت کی فراوانی ہے۔ سردار جعفری نے بھی جابجا اپنی نظموں میں ملک کی محبت اور عوام کی خستہ حالی، عزت وناموس، جہالت اور بھوک وفلاس کا ذکر کیا ہے۔ جب

Vol. 5 No.3 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

تقسیم کا عمل شروع ہوا تو علی سردار جعفری نے اخلاقی، مذہبی، سماجی، معاشی اور سیاسی نظام کی تباہ حالی کا خوب چرچا کیا انھوں نے انسانی رشتوں کی تقسیم کے اس المیے کی عکاسی کی۔ انھوں نے انسان سے متعلق تمام مسائل کو فطری اور شعوری طور پر اپنی شاعری میں برتا۔ علی سردار جعفری نے عیش و عشرت اور سب ذاتی معاملات ترک کر کے دنیا کے غموں کا مداوا کیا اور دنیا کی خاطر جیل کی زندگی گزارنے پر فخر محسوس کیا۔ علی سردار جعفری نے ساحر لدھیانوی کی طرح ہندوستان کے سیاسی حالات پر طنز کیا ہے۔ اور ساحر کی طرح امن عالم، مٹتی ہوئی تہذیبوں اور خاک ہوتی ہوئی قدروں کی بات کی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ علی محمد فرشی، ضیا جالندھری شخصیت اور فن، (اسلام آباد: اکادمی ادبیات پاکستان، ۲۰۰۷ء)، ص:۸۵

۲۔ رابعہ نسیم، ڈاکٹر، جدید اردو شاعری میں رومانی عناصر، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۳ء)، ص:۲۰۸

۳۔ علی سردار جعفری، مقدمہ، پرچھائیاں، کلیات ساحر لدھیانوی، (لاہور: سجاد پبلی کیشنز، س، ن)، ص:۹۵

۴۔ ساحر لدھیانوی، کلیات ساحر، (لاہور: سجاد پبلی کیشنز، س ن)، ص:۱۰۲، ۹۹

۵۔ ایضاً، ص:۱۰۳

۶۔ ایضاً، ص:۱۰۸

۷۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی تحریکیں، (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۸۵ء) ص:۵۱۶

۸۔ قدوس جاوید، پروفیسر، مقدمہ، علی سردار جعفری بحیثیت ترقی پسند شاعر، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، جنوری ۲۰۱۳)، ص:۹

۹۔ عبدالغنی، ڈاکٹر، علی سردار جعفری بحیثیت ترقی پسند شاعر، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، جنوری ۲۰۱۳)، ص:۱۸، ۱۷

۱۰۔ علی سردار جعفری، دیباچہ، نئی دنیا کو سلام، (دہلی: مکتبہ جامعہ، ۱۹۴۷ء)، ص:۷

۱۱۔ علی سردار جعفری، نئی دنیا کو سلام، کلیات علی سردار جعفری جلد اول، مرتبہ، علی احمد فاطمی (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۴ء)، ص:۱۶۴، ۱۶۳

۱۲۔ ایضاً، ص:۱۶۸، ۱۶۷

۱۳۔ علی جاوید، تبصرہ، نئی دنیا کو سلام، مشمولہ، (نئی دہلی: ماہنامہ، ایوان اردو، ستمبر ۲۰۰۰ء)، ص:۷۶

۱۴۔ علی سردار جعفری، نئی دنیا کو سلام، کلیات علی سردار جعفری جلد اول، مرتبہ، علی احمد فاطمی (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۴ء)، ص:۱۷۶، ۱۷۵

۱۵۔ ایضاً، ص:۱۷۷، ۱۷۶

۱۶۔ ایضاً، ص:۱۷۷

۱۷۔ ایضاً، ص:۱۷۸

۱۸۔ ایضاً، ص:۱۹۱، ۱۹۰

۱۹۔ علی سردار جعفری، نئی دنیا کو سلام، کلیات علی سردار جعفری جلد دوم، مرتبہ، علی احمد فاطمی (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۵ء)، ص:۲۳، ۲۱

۲۰۔ ایضاً، ص:۲۸، ۲۶، ۳۳۔۳۴

Vol. 5 No.3 2021

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022

۲۱۔ کرشن چندر، دیباچہ، ایشیا جاگ اٹھا(کلیات علی سردار جعفری)از علی سردار جعفری جلد دوم، مرتبہ، علی احمد فاطمی (نئ دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۵ء)، ص:۵۷

ماخذ:

☆ آفاقی، محمد یاسین۔ جدید اردو نظم میں ہیئت کے تجربے۔ لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۹ء۔

☆ جعفری، علی سردار۔ کلیات علی سردار جعفری (جلد اول، جلد دوم)۔ مرتبہ، علی احمد فاطمی، دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۴ء، ۲۰۰۵ء۔

☆ جمشید احمد۔ ترقی پسند عہد میں اردو نظم کے متوازی میلانات۔ دہلی: مملوکہ جواہر لعل یونیورسٹی، ۲۰۰۸ء۔

☆ صدیقی، عقیل احمد، ڈاکٹر۔ جدید اردو نظم نظریہ و عمل۔ لاہور: بیکن بکس، ۲۰۱۴ء۔

☆ عالم، جاں نثار۔ ترقی پسند اردو نظم میں احتجاج کی جہتیں ۱۹۳۶ء کے بعد۔ دہلی: مملوکہ جواہر لعل یونیورسٹی، ۲۰۰۸ء۔

☆ عبد الغنی، ڈاکٹر۔ علی سردار جعفری بحیثیت ترقی پسند شاعر۔ دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۱۳ء۔

☆ کاشمیری، حامدی، ڈاکٹر۔ جدید اردو نظم اور یورپی اثرات۔ دہلی: موڈرن پبلشنگ ہاؤس، اشاعت اول ۱۹۸۶ء دوم ۲۰۱۰ء۔

☆ کیفی، حنیف، ڈاکٹر۔ اردو میں نظم معرّا اور آزاد نظم۔ لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء۔

☆ لدھیانوی، ساحر۔ کلیات ساحر۔ لاہور: سجاد پبلی کیشنز، س۔ن۔

☆ نارنگ، گوپی چند، ڈاکٹر۔ ہندوستان کی تحریک آزادی اور اردو شاعری۔ نئ دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۳ء۔